11

تعلیم الاسلام کالج کے لئے دو لاکھ روپے کی اپیل

(فرمودہ 5 /اپریل 1946ء)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

"مَیں نے گزشتہ ایام میں تعلیم الاسلام کالج کے متعلق جماعت سے چندہ کی اپیل کی تھی۔ تعلیم الاسلام کالج کی ایف۔ اے کلاسز کو کھلے ہوئے دو سال ہو گئے ہیں اور اس سال ہمارے لڑکے ایف۔ اے اور ایف۔ ایس۔ سی کے امتحانات دیں گے۔ اس کے بعد ان میں سے جو کامیاب ہوں گے ان کو بی۔ اے اور بی۔ ایس۔ سی پاس کرنی ہو گی کیونکہ اس کے بغیر ان کی تعلیم مکمل نہیں سمجھی جاسکتی۔ بی۔ اے اور بی۔ ایس۔ سی کی کلاسز کے متعلق ایک لمبے عرصہ تک میرے اور بعض کارکنان کے درمیان اختلاف رہا۔ وہ بی۔ ایس۔ سی کی جماعتیں کھولنے کے مخالف تھے۔ اس لئے کہ وہ کہتے تھے کہ اس وقت نہ تو عملہ دستیاب ہو سکتا ہے اور نہ ہی سامان۔ لیکن مجھے اصرار تھا کہ اگر ہم نے ان جماعتوں کو نہ کھولا تو ہمارے ایف۔ ایس۔ سی کے پاس شدہ طالب علم یا تعلیم چھوڑنے پر مجبور ہو جائیں گے اور یا پھر قادیان چھوڑ کر ان کو باہر جانا پڑے گا جہاں غالباً بہت سے لڑکے کالج میں داخل نہیں ہو سکیں گے کیونکہ بی۔ ایس۔ سی جماعتوں میں کم گنجائش ہوتی ہے اور پھر ایک کالج کے طلباء کو دوسرے کالج والے داخل نہیں کرتے۔ اس طرح ہم ان کو راستہ میں ہی چھوڑ دیں گے اور یہ مناسب نہیں۔ جب تک تو مَیں یہ اصرار کرتا رہا کہ اس کلاس کو جاری کرنا چاہئے اس وقت تک کالج کمیٹی کے ممبر اس بات پر مُصِر رہے کہ یہ نہیں ہو سکتا۔ مَیں نے دیکھا ہے جب کسی کی بات مان لی جائے تو پھر اس کے دل میں

اُلٹ احساس پیدا ہوتا ہے اور وہ کہتا ہے کہ شاید یوں ہونا چاہئے۔ چنانچہ لمبے عرصہ کے اختلاف کے بعد جب مَیں نے یہ کہا کہ اس سال بی۔ ایس۔ سی کی کلاسز جاری نہ کی جائیں تو تیسرے دن ہی ممبروں کی چِٹھیاں آنی شروع ہو گئیں کہ اسے ضرور جاری کرنا چاہئے۔ اس طریقِ کار کی وجہ سے ہمارا کام کئی مہینے پیچھے جا پڑا لیکن بہر حال جب وہ لوگ بھی اسی رائے کے ہو گئے تو مَیں نے اپنا پہلا فیصلہ واپس لے لیا کیونکہ مَیں خود اس بات پر مُصر تھا کہ یہ جماعتیں کھولی جائیں۔ اس کے لئے اخراجات کا جو اندازہ لگایا گیا ہے وہ دو لاکھ پانچ ہزار روپے کا ہے۔ مَیں نے فِی الحال دو لاکھ روپے کی اپیل جماعت کے سامنے کی ہے۔ فی الحال اس لئے کہا ہے کہ ہمارا مقصد یہ نہیں کہ بی۔ اے اور بی۔ ایس۔ سی کلاسز پر اپنا کام ختم کر دیں۔ ابھی ہم نے دو کام اَور کرنے ہیں۔ ایک ایم۔ اے اور ایم۔ ایس۔ سی کلاسز جاری کرنی ہیں اور دوسرے ڈاکٹری کی ایف۔ ایس۔ سی کی کلاسز جاری کرنی ہیں۔ ان تینوں کلاسز کو کھولنے کے لئے غالباً تین چار لاکھ روپے کی اَور ضرورت ہو گی اور پانچ سات لاکھ روپے کی ریزرو فنڈ کے طور پر ضرورت ہو گی تا عام اخراجات اس کی آمد سے چل سکیں۔ پس مَیں نے جو فِی الحال کہا ہے اس سے کسی کے دل میں یہ شبہ پیدا نہ ہو کہ اس دو لاکھ کی رقم سے تمام کام ہو جائے گا۔ یہ دو لاکھ اس سال کے لئے چاہئے اگلے سال یا دو سال بعد ایک یا دو قسطوں میں ہی مزید روپیہ کی ضرورت ہو گی۔ در حقیقت ایک اچھے کالج کے لئے پچیس لاکھ روپے کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہم ڈیڑھ لاکھ روپیہ پہلے چندہ سے لے چکے ہیں اور ڈیڑھ لاکھ روپیہ اَور بھی اس پر خرچ کیا جا چکا ہے اور دو لاکھ کی اب ضرورت ہے۔ یہ پانچ لاکھ ہو گیا۔ تین لاکھ کی پھر ضرورت ہو گی تو یہ آٹھ لاکھ روپیہ ہو جائے گا۔ اس کے بعد ہمیں پندرہ سولہ لاکھ روپے کی ریزرو فنڈ کی ضرورت ہو گی جس سے لاکھ سَوا لاکھ روپیہ سالانہ آمدنی ہوتی رہے اور کالج مضبوطی کے ساتھ قائم رہ سکے۔ ایک وہ زمانہ تھا کہ ہمارے لئے ہائی کلاسز کو جاری کرنا بھی مشکل تھا۔

یہاں آریوں کا مڈل سکول ہوا کرتا تھا۔ شروع شروع میں اس میں ہمارے لڑکے جانے شروع ہوئے تو آریہ ماسٹروں نے ان کے سامنے لیکچر دینے شروع کئے کہ تم کو گوشت نہیں کھانا چاہئے، گوشت کھانا ظلم ہے۔ وہ اس قسم کے اعتراضات کرتے جو کہ اسلام پر حملہ تھے۔

لڑکے سکول سے آتے اور یہ اعتراضات بتلاتے۔ یہاں ایک پرائمری سکول تھا اس میں بھی اکثر آریہ مدرس آیا کرتے اور یہی باتیں سکھلایا کرتے تھے۔ پہلے دن جب مَیں اس سرکاری پرائمری سکول میں پڑھنے گیا اور دوپہر کو میرا کھانا آیا تو مَیں سکول سے باہر نکل کر ایک درخت کے نیچے جو پاس ہی تھا کھانا کھانے کے لئے جا بیٹھا۔ مجھے خوب یاد ہے کہ اس روز کلیجی پکی تھی اور وہی میرے کھانے میں بھجوائی گئی۔ اس وقت میاں عمرالدین صاحب مرحوم جو میاں عبد اللہ صاحب حجام کے والد تھے وہ بھی اسی سکول میں پڑھا کرتے تھے لیکن وہ بڑی جماعت میں تھے اور مَیں پہلی جماعت میں تھا۔ مَیں کھانا کھانے بیٹھا تو وہ بھی آ پہنچے اور دیکھ کر کہنے لگے "ہیں ماس کھاندے اوماس" حالانکہ وہ مسلمان تھے۔ اس کی یہی وجہ تھی کہ آریہ ماسٹر سکھلاتے تھے کہ گوشت خوری ظلم ہے اور بہت بری چیز ہے۔ ماس کا لفظ مَیں نے پہلی دفعہ ان سے سنا تھا اس لئے مَیں سمجھ نہ سکا کہ ماس سے مراد گوشت ہے چنانچہ مَیں نے کہا یہ ماس تو نہیں کلیجی ہے۔ انہوں نے بتایا کہ ماس گوشت کو ہی کہتے ہیں۔ پس مَیں نے ماس کا لفظ پہلی دفعہ ان کی زبان سے سنا اور ایسی شکل میں سنا کہ گویا ماس خوری بری ہوتی ہے اور اس سے بچنا چاہئے۔ غرض آریہ مدرّس اس قسم کے اعتراضات کرتے رہتے اور لڑکے گھروں میں آ آ کر بتاتے کہ وہ یہ اعتراض کرتے ہیں۔ آخر یہ معاملہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس پہنچا تو آپ نے فرمایا جس طرح بھی ہو سکے جماعت کو قربانی کر کے ایک پرائمری سکول قائم کر دینا چاہئے۔ چنانچہ پرائمری سکول کھل گیا اور یہ سمجھا گیا کہ ہماری جماعت نے انتہائی مقصد حاصل کر لیا ہے۔ اس عرصہ میں ہمارے بہنوئی نواب محمد علی خان صاحب مرحوم و مغفور ہجرت کر کے قادیان آ گئے۔ انہیں سکولوں کا بڑا شوق تھا چنانچہ انہوں نے مالیر کوٹلہ میں بھی ایک مڈل سکول قائم کیا ہوا تھا۔ انہوں نے کہا کہ مَیں چاہتا ہوں اس کو مڈل کر دیا جائے۔ مَیں وہاں سکول کو بند کر دوں گا اور وہ امداد یہاں دے دیا کروں گا۔ چنانچہ قادیان میں مڈل سکول ہو گیا۔ پھر بعد میں کچھ نواب محمد علی خان صاحب اور کچھ حضرت خلیفۃ المسیح الاول کے شوق کی وجہ سے فیصلہ کیا گیا کہ یہاں ہائی سکول کھولا جائے۔ چنانچہ پھر یہاں ہائی سکول کھول دیا گیا۔ لیکن یہ ہائی سکول پہلے نام کا تھا کیونکہ اکثر پڑھانے والے انٹرنس (Intrance) پاس تھے

اور بعض شاید انٹرنس فیل بھی۔ مگر بہر حال ہائی سکول کا نام ہو گیا۔ زیادہ خرچ کرنے کی جماعت میں طاقت نہ تھی اور نہ ہی یہ خیال پیدا ہو سکتا تھا مگر آخر وہ وقت بھی آ گیا کہ گورنمنٹ نے اس بات پر خاص زور دینا شروع کیا کہ سکول اور بورڈنگ بنائے جائیں۔ نیز یہ کہ سکول اور بورڈنگ بنانے والوں کو امداد دی جائے گی۔ چنانچہ حضرت خلیفہ اول کے عہد خلافت میں یہ سکول بھی بنا اور بورڈنگ بھی۔ پھر آہستہ آہستہ عملہ میں اصلاح شروع ہوئی اور طلباء بڑھنے لگے۔ پہلے ڈیڑھ سو تھے پھر تین چار سو ہوئے پھر سات آٹھ سو ہو گئے اور مدتوں تک یہ تعداد رہی۔ اب تین چار سالوں میں آٹھ سو سے یکدم ترقی کر کے سکول کے لڑکوں کی تعداد سترہ سو ہو گئی ہے اور مَیں نے سنا ہے کہ ہزار سے اوپر لڑکیاں ہو گئی ہیں۔ گویا لڑکے اور لڑکیوں کی تعداد ملا کر قریباً تین ہزار بن جاتی ہے۔ پھر مدرسہ احمدیہ بھی قائم ہوا اور کالج بھی۔ اب خدا تعالیٰ کے فضل سے مدرسہ احمدیہ میں بھی میری گزشتہ تحریک کے ماتحت طلباء بڑھنے شروع ہو گئے ہیں اور پچیس تیس طلباء ہر سال آنے شروع ہو گئے ہیں۔ اگر یہ سلسلہ بڑھتا رہا تو مدرسہ احمدیہ اور کالج کے طلباء کی تعداد بھی چھ سات سَو تک یا اس سے زیادہ تک پہنچ جائے گی اور اس طرح ہمیں سو مبلغ ہر سال مل جائے گا۔ جب تک ہم اتنے مبلغین ہر سال حاصل نہ کریں ہم دنیا میں صحیح طور پر کام نہیں کر سکتے۔

1944ء میں مَیں نے کالج کی بنیاد رکھی تھی کیونکہ اب وقت آ گیا تھا کہ ہماری آئندہ نسل کی اعلیٰ تعلیم ہمارے ہاتھ میں ہو۔ ایک زمانہ وہ تھا کہ ہماری جماعت میں بہت چھوٹے عہدوں اور بہت چھوٹی آمدنیوں والے لوگ شامل تھے۔ بے شک کچھ لوگ کالجوں میں سے احمدی ہو کر جماعت میں شامل ہوئے لیکن وہ حادثہ کے طور پر سمجھے جاتے تھے ورنہ اعلیٰ مرتبوں والے اور اعلیٰ آمدنیوں والے لوگ ہماری جماعت میں نہیں تھے سوائے چند محدود لوگوں کے۔ ایک تاجر سیٹھ عبدالرحمان حاجی اللہ رکھا صاحب مدراسی تھے لیکن ان کی تجارت ٹوٹ گئی تھی۔ ان کے بعد شیخ رحمت اللہ صاحب ہوئے۔ ان کے سوا کوئی بھی بڑا تاجر ہماری جماعت میں نہیں تھا اور نہ کوئی بڑا عہدیدار ہماری جماعت میں شامل تھا۔ یہاں تک کہ حضرت خلیفہ اول ایک دفعہ مجھے فرمانے لگے دیکھو میاں! قرآن کریم اور احادیث سے پتہ لگتا ہے

کہ انبیاء پر ابتدا میں بڑے لوگ ایمان نہیں لائے۔ چنانچہ یہ بھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت کا ایک ثبوت ہے کہ ہماری جماعت میں کوئی بڑا آدمی شامل نہیں۔ چنانچہ کوئی ای۔ اے۔ سی ہماری جماعت میں داخل نہیں۔ گویا اس وقت کے لحاظ سے ای۔ اے۔ سی بہت بڑا آدمی ہوتا تھا مگر اب دیکھو کئی ای۔ اے۔ سی یہاں گلیوں میں پھرتے ہیں اور ان کی طرف کوئی آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا۔ لیکن ایک زمانہ میں اعلیٰ طبقہ کے لوگوں کا ہماری جماعت میں اس قدر فقدان تھا کہ حضرت خلیفہ اول نے فرمایا کہ ہماری جماعت میں کوئی بڑا آدمی داخل نہیں چنانچہ کوئی ای اے سی ہماری جماعت میں داخل نہیں۔ گویا اس وقت کے لحاظ سے ہماری جماعت ای۔ اے۔ سی کی بھی برداشت نہیں کر سکتی تھی لیکن اب تو کئی آئی۔ سی۔ ایس بھی ہماری جماعت میں شامل ہیں۔ اسی طرح چودھری ظفر اللہ خان صاحب فیڈرل کورٹ کے جج ہیں۔ نواب اکبر یار جنگ بہادر نظام دکن کے ہائی کورٹ کے جج تھے۔ پھر بڑے بڑے تاجر بھی اب خدا تعالیٰ کے فضل سے بہت ہیں۔ ان میں سے ایسے بھی ہیں جو اپنے اخلاص کا ثبوت دیتے رہتے ہیں اور ایسے بھی ہیں کہ اگر وہ اخلاص دکھلائیں تو بہت بڑی رقمیں دے سکتے ہیں۔ باقی رہا اعلیٰ عہدے دار سو اس جنگ کے دوران میں فوج میں ہمارے کنگز کمیشن والے افسر جو پانچ سو سے دو ہزار بلکہ زیادہ تنخواہ لیتے تھے دو سو سے زیادہ تھے۔ پہلے ہماری جماعت میں صوبیدار بھی بہت کم نظر آتے تھے لیکن اس وقت کئی کرنیل ہماری جماعت میں ہیں۔ کئی میجر ہماری جماعت میں ہیں اور کیپٹن اور لیفٹیننٹ تو درجنوں ہیں اور پھر ہر محکمہ میں ہیں۔ ہوائی جہازوں کے محکمہ میں بھی ہیں، جہازوں کے محکمہ میں بھی ہیں، برّی فوج میں بھی ہیں۔ مثلاً انفنٹری میں، آرٹلری میں، آرڈیننس میں اور سپلائی میں۔ چنانچہ ہمارے فوجی دوست بتلاتے ہیں کہ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ جہاں بھی ہماری تبدیلی ہوتی ہے کوئی نہ کوئی احمدی وہاں موجود ہوتا ہے اور شاذو نادر ہی ایسا ہوتا ہے کہ کوئی دوسرا احمدی ساتھی نہ ملے کیونکہ سارے ہندوستانی افسر دس ہزار کے قریب ہیں اور ان میں سے دو سو سے اوپر احمدی ہیں۔ مسلمان افسروں میں سے تقریباً چھ سات فیصدی احمدی ہیں۔ گویا وہ اتنی کثیر تعداد میں ہیں اور اتنا زبردست ان کا حصہ ہے کہ وہ ہر جگہ اپنے آپ کو احمدیوں ہی میں گھرے ہوئے پاتے ہیں۔ عراق، ایران،

فلسطین، اٹلی، یونان، برما، ملایا، جاوا، جاپان۔ غرض کوئی جگہ ایسی نہیں جہاں ہمارے فوجی کنگز کمیشن آفیسر موجود نہیں۔ کسی جگہ کرنیل ہیں، کسی جگہ میجر اور کسی جگہ کیپٹن اور لیفٹیننٹ اور قدرتی طور پر ان لوگوں کے دلوں میں جن کو یہ عہدے ملے ہیں خواہش پیدا ہوتی ہو گی کہ وہ اپنی اولادوں کو اعلیٰ تعلیم دلائیں۔ چنانچہ ایسی تعلیمی دوڑ کی وجہ سے اب کالجوں میں پہلے سے دُگنے طالب علم داخل ہوں گے اور یہ لازمی بات ہے کہ کالج میں داخل ہونے والے طلباء اپنے اردگرد کے حالات سے ضرور متأثر ہوتے ہیں۔ پس ہمارا فرض ہے کہ ہم ان کو اردگرد کے بداثرات سے محفوظ کر کے احمدیت کے ماحول میں تربیت دیتے ہوئے ان کے دلوں میں احمدیت کو راسخ کرتے ہوئے ترقی کی طرف لے جائیں تا احمدیت کو زیادہ سے زیادہ مضبوطی حاصل ہو۔

افسوس ہے کہ مسلمانوں نے عیسائیت کو دیکھتے ہوئے بھی اس کے اچھے طریق کو اختیار نہ کیا۔ عیسائیت نے جتنی تعلیم دی ہے پادریوں کے ذریعہ دی ہے۔ یورپ میں جتنے بھی کالج ہیں پادریوں کے قائم کئے ہوئے ہیں اور وہ سو فیصدی پادریوں کے ہاتھ میں ہوتے ہیں۔ اس وجہ سے باوجود ہر قسم کی اعلیٰ تعلیم پا جانے کے نوجوانوں کے دلوں میں عیسائیت کی محبت مٹتی نہیں۔ بعض لوگ دہریہ بھی ہو جاتے ہیں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی محبت اور دینِ عیسوی کی برتری کا احساس ان کے دلوں میں قائم رہتا ہے۔ وہ یہ تو کہتے ہیں کہ دینِ عیسوی میں کچھ نقائص ہیں مگر ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ دنیا میں جتنے مذاہب ہیں ان سب سے بہتر عیسوی مذہب ہے مگر مسلمانوں میں یہ نہیں ہوا۔ اس لئے کہ مسلمانوں نے جہاں تعلیم کا انتظام کیا وہاں صرف مذہبی تعلیم کا انتظام کیا حالانکہ طب بھی تو تعلیم تھی۔ یہ کس طرح ہو سکتا تھا کہ سو فیصدی مسلمان مولوی بن جاتے۔ اگر سارے مولوی بن جائیں گے تو روزی کمانے والا کون ہو گا۔ اور ان مولویوں یا مدرّسین کو خرچ دینے والا کون ہو گا۔ قومی ترقی کا یہی ذریعہ تھا کہ کچھ لوگ قانون کے ماہر ہوتے، کچھ انجینئر ہوتے، کچھ طبیب اور ڈاکٹر ہوتے اور کچھ اَور علوم میں مہارت حاصل کرتے۔ مگر مسلمانوں نے بحث مباحثہ کے خیال سے منطق اور فلسفہ تو اپنی تعلیم میں شامل کر لیا مگر باقی ساری تعلیموں کو خارج کر دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہیں اپنے بچوں کو اعلیٰ تعلیم دلانے کے لئے بجائے اپنے تعلیمی اداروں میں بھیجنے کے دوسرے اداروں میں بھیجنا پڑا

اور چونکہ وہ مخالف ماحول میں رہے اس لئے مذہب کی محبت ان کے دلوں میں نہ رہی۔ ایک طرف اگر مولویوں کا گروہ مدارس سے نکل کر مذہبی تعلیم دیتا تھا تو دوسرا تعلیم یافتہ گروہ مذہب کے خلاف لوگوں کو اُکساتا تھا۔ اس طرح ایک ہی وقت میں دو دریا چل رہے تھے جو باہم ملنے کا نام تک نہ لیتے تھے۔ لیکن عیسائیت کا ایک ہی دریا چل رہا تھا۔ انہی کالجوں میں سے نکلنے والے پادری کہلاتے تھے اور انہی کالجوں میں سے نکلنے والے انجینئر کہلاتے تھے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ عیسائیت کی تعلیم بھی آخر ناکام رہی مگر اس طرح انہوں نے اٹھارہ سَو سال تک اپنے سلسلہ کو ممتد کر لیا لیکن مسلمانوں نے جو طریقہ اختیار کیا اس سے وہ چند سو سالوں میں ہی بگڑ گئے اور دینی اور دنیوی علماء میں لڑائی شروع ہو گئی۔ دین کے علماء نے فنون اور حرفے والوں کو کہنا شروع کر دیا کہ تم دہریہ اور دین سے خارج ہو اور حرفت اور صنعت والوں نے مولویوں کو یہ کہنا شروع کر دیا کہ تم قُلْ اَعُوْذِیئے اور کھڑ کنّے ہو۔ غرض ایک دوسرے کا نام رکھنے لگ گئے۔ مگر عیسائیت میں یہ بات نہ تھی۔ گو آج اٹھارہ سو سال کے بعد اُلٹی گنگا چلنی شروع ہو گئی ہے لیکن اٹھارہ سو سال تک انہوں نے اس سے گزارہ کیا ہے۔ پہلے پادری کالجوں میں جا کر لڑکوں کو عیسائیت کا قائل کیا کرتے تھے مگر اب پادری خود دہریہ ہونے لگ گئے ہیں مگر ہر چیز میں آخر خرابی تو آ ہی جایا کرتی ہے۔ بہر حال یہ تو نظر آتا ہے کہ عیسائیت میں خرابی پہلے آئی اور اس کی تعلیم کے انتظام میں بعد میں خرابی پیدا ہوئی۔ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بغاوت کہیں پہلے شروع کر دی تھی مگر علماء نے عیسائیت سے بغاوت بہت بعد میں شروع کی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بغاوت کے یہ معنے ہیں کہ مسیحیوں نے سچے مذہب کو چھوڑ دیا مگر عیسائیت سے علماء کی بغاوت کے یہ معنے ہیں کہ جس قسم کا عیسوی مذہب پیش کیا جاتا تھا اس سے علماء بھی منکر ہو گئے۔ یہ انکار بہت بعد میں پیدا ہوا لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا انکار بہت پہلے پیدا ہو چکا تھا کیونکہ عیسوی تعلیم رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی بعثت سے بھی پہلے بگڑ چکی تھی۔ لیکن اس قوم کے علماء اور صنّاعوں وغیرہ نے عیسوی مذہب کو جس حالت میں بھی وہ تھا کئی سَو سال بعد چھوڑا۔ بلکہ در حقیقت رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی بعثت کے بارہ سو سال بعد انہوں نے اس سے انحراف شروع کیا۔ یہ نتیجہ تھا اس بات کا کہ انہوں نے

اپنی قوم کو گو ہر قسم کے علوم کی تعلیم دی مگر اس کی نگرانی پادریوں کے ہاتھ میں رکھی۔ لیکن یہ نقطہ نظر مسلمانوں سے اوجھل رہا اس لئے جلد ہی مسلمان ان کے ہاتھ سے نکل گئے۔ ہمارے سامنے مسلمانوں اور عیسوی امت کا کام موجود ہے۔ اب ہمارا فرض ہے کہ ان دونوں کے نیک حصوں کو لے کر ان سے فائدہ اٹھائیں اور ان کی غلطیوں سے بچیں۔

جیسا کہ مَیں بتا چکا ہوں اعلیٰ درجے کا طریقِ تعلیم یہ ہے کہ تعلیم دنیوی، دینی علماء کے ہاتھوں سے ہو تا کہ مذہب سے لگاؤ قائم رہے۔ لوگوں نے تو انجینئر بننا ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ انجینئرنگ کی تعلیم دینے والا مولوی یا واقفِ زندگی نہ ہو۔ ہاں اگر ہم یہ کہیں کہ تم نے انجینئر نہیں بننا تو وہ ضرور ہم سے اختلاف کریں گے کہ انجینئرنگ میں کیا قباحت ہے کہ تم ہمیں انجینئر نہیں بننے دیتے۔ لیکن اگر ہم کہیں کہ انجینئر تو بنو لیکن ایک واقف تحریک جدید سے پڑھ کر یا ایک عالمِ دین سے پڑھ کر۔ تو یقیناً ایک کمزور سے کمزور ایمان والا بھی اس سے تعلیم حاصل کرنے سے انکار نہیں کرے گا اور یقینی طور پر جو تعلیم وہ حاصل کرے گا اس کے نتیجہ میں اس کا دین محفوظ رہے گا۔ پس اب جب کہ بیداری پیدا ہو چکی ہے اور جب کہ تعلیم کا احساس پیدا ہو چکا ہے اور جب کہ ہماری جماعت کو ایسے ذرائع حاصل ہو چکے ہیں کہ وہ اپنے بچوں کو اعلیٰ تعلیم دلا سکے اگر ہمارے پاس کالج نہ ہو اور اعلیٰ درجے کا کالج نہ ہو اور انتہائی تعلیم دینے والا کالج نہ ہو تو ہمارا قدم دوسری اقوام کی نسبت پیچھے رہ جائے گا۔ مثلاً ایک شخص انگلستان جانے کا ارادہ کرے اور کہے کہ مَیں لنگڑے گدھے پر سوار ہو کر انگلستان جاؤں گا تو ہر دیکھنے والا اور ہر سننے والا اس پر ہنسے گا اور اسے ایک تماشہ سمجھے گا۔ لوگ کہیں گے یہ اول تو راستہ میں ہی مر جائے گا اور اگر پہنچے گا بھی تو بڈھا ہو کر۔ کیونکہ جن راستوں سے ایک گدھا انگلستان پہنچ سکتا ہے وہ سات آٹھ ہزار میل کا ہے۔ ایک لنگڑا گدھا دن میں زیادہ سے زیادہ اسے پانچ چھ میل لے جائے گا اور اگر وہ روزانہ بھی سفر کرے گا تو بیس دنوں میں زیادہ سے زیادہ سَو میل چلے گا۔ سَو دنوں میں پانچ سو میل، دو سو دنوں میں ہزار میل اور سولہ سَو دنوں میں آٹھ ہزار میل طے کرے گا۔ اگر وہ پانچ سال متواتر چلتا رہے تب جا کر انگلستان پہنچے گا۔ لیکن انسان تھک بھی جاتا ہے، بیمار بھی ہوتا ہے اس لحاظ سے پانچ سال کی بجائے پندرہ سال سمجھنے چاہئیں۔ پس اس زمانے میں اگر

کوئی شخص لنگڑے گدھے پر انگلستان جانے کی کوشش کرتا ہے تو وہ احمق ہے کیونکہ جب لوگ ریلوں میں جا رہے ہیں، ہوائی جہازوں میں جا رہے ہیں، بحری جہازوں میں جا رہے ہیں، اس وقت وہاں گدھے پر جانے کی کوشش کرنا کسی احمق کا ہی کام ہو سکتا ہے۔ اسی طرح اگر ہم تعلیم پھیلانے کے لئے وہ ذرائع استعمال نہ کریں گے جو اعلیٰ سے اعلیٰ اور جلد سے جلد تعلیم دلانے والے ہوں تو دوسری اقوام کے مقابلہ میں ہم ٹھہر نہیں سکتے اور اس وقت تک کام چلانے والے نئے لوگ ہمیں نہیں مل سکتے۔

یہ پچھلی غفلت کا ہی نتیجہ ہے کہ صدر انجمن احمدیہ کو نئے کارکن نہیں ملتے۔ اسی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے مَیں نے تحریک جدید کے واقفین میں سے پانچ چھ گریجوایٹ نائب ناظر کے طور پر لگا دیئے ہیں تا کہ کام میں رکاوٹ پیدا نہ ہو۔ لیکن صدر انجمن احمدیہ کے ناظروں نے اس طرف کبھی بھی توجہ نہیں کی تھی اور انہیں کبھی یہ خیال ہی نہ آیا تھا کہ ہم نے بھی بیمار ہونا اور مرنا ہے۔ مگر باوجود صدر انجمن احمدیہ کو تحریک جدید کے چھ سات آدمی دے دینے کے ابھی ہم اس کی تمام ضروریات کو پورا نہیں کر سکے اور ان ضروریات کو پورا کرنے کے لئے ہمیں ابھی اَور ایسے پچیس آدمیوں کی ضرورت ہے مگر ہماری جماعت میں سے ہر سال صرف چار پانچ گریجوایٹ نکلتے ہیں۔ کچھ ان میں سے نوکری اختیار کر لیتے ہیں اور کچھ تجارت کر لیتے ہیں باقی اگر کوئی بچے تو وہ ہمارے پاس آ سکتا ہے۔ فرض کرو ہمیں ہر سال ایک آدمی مل جاتا ہے تو اس کے معنے یہ ہیں کہ سو سال میں جا کر ہماری یہ ضروریات پوری ہوں گی۔ اس کے علاوہ اَور بھی بہت سی جگہیں ہیں جہاں ہمیں گریجوایٹس کی ضرورت ہے۔ اور اگر تمام ضروریات کو شامل کیا جائے تو ہمیں تین چار سو گریجوایٹس کی ضرورت ہے۔ کالج میں پڑھانے والے گریجوایٹ چاہئیں، تبلیغ کے لئے باہر جانے والے گریجوایٹ چاہئیں، صیغوں کے انچارج گریجوایٹ چاہئیں اور یہ ضروریات اسی وقت پوری ہو سکتی ہیں جب ڈیڑھ دو سو نوجوان ہر سال کالجوں میں سے بی اے پاس ہو کر نکلیں۔ اگر اتنی تعداد سالانہ نکلے تب دس پندرہ سالوں میں ہماری ضروریات پوری ہو سکتی ہیں۔ پس ہمیں چاہیئے کہ ہم اپنا کالج مکمل کریں اور کوشش کریں کہ زیادہ سے زیادہ طالب علم یہاں داخل ہوں تا کہ ہم اپنے کالج سے سو گریجوایٹ سالانہ

نکال سکیں اور بیرونی کالجوں میں داخل ہونے والے بھی سو کی تعداد میں نکلیں تب جا کر ہماری ضروریات ایک معقول عرصہ میں پوری ہو سکتی ہیں۔ لیکن جس طرح کام روزانہ بڑھتا چلا جاتا ہے اس کو مد نظر رکھتے ہوئے تو یہ اندازہ بھی کافی نہیں۔ مَیں نے خدا تعالیٰ کا ہمیشہ یہ سلوک دیکھا ہے کہ جو کام ہم شروع کرتے ہیں اس میں زیادتی ہی زیادتی ہوتی چلی جاتی ہے۔ مثلاً ہر سال ہم جلسہ گاہ کو بڑھا دیتے ہیں لیکن پھر بھی وہ جگہ تنگ ہو جاتی ہے۔ پہلے مسجد میں جلسہ ہوتا تھا لیکن اب ہم ہر سال جلسہ گاہ کو وسیع کرتے ہیں۔ پس یہ اہم ضروریات ہیں جن کو ہم نظر انداز نہیں کر سکتے۔

مجھے افسوس ہے کہ جماعت نے پورے طور پر اپنی ذمہ داری کو نہیں سمجھا۔ کالج کے چندہ کی اپیل پر پندرہ سولہ دن ہو چکے ہیں لیکن ابھی تک چالیس ہزار کے قریب وعدے آئے ہیں اور صرف اُنگلیوں پر شمار کئے جانے والے افراد کے وعدے آئے ہیں۔ چھبیس ہزار کے وعدے تو صرف چار آدمیوں کی طرف سے ہیں۔ دو نے دس دس ہزار کے وعدے کئے ہیں۔ ایک نے پانچ ہزار کا اور ایک نے ایک ہزار کا۔ ایک تو دس ہزار کا وعدہ میرا ہے، دوسرا دس ہزار دینے کا وعدہ سیٹھ محمد صدیق صاحب کلکتے والے اور ان کے بھائی سیٹھ محمد یوسف صاحب نے کیا ہے۔ تیسرے پانچ ہزار کا وعدہ سیٹھ عبد اللہ بھائی کی طرف سے ہے اور چوتھے ایک ہزار کا وعدہ شیخ امام دین صاحب کا ہے جو بمبئی کی طرف تجارت کرتے ہیں۔ گویا اس میں چھبیس ہزار کے وعدے صرف چار آدمیوں کے ہیں۔ چھ ہزار کا وعدہ قادیان کی لجنہ کا ہے۔ اس طرح بتیس ہزار ہو گئے۔ اگر قادیان کی لجنہ کو ایک فرد شمار کیا جائے تو پانچ افراد نے بتیس ہزار چندہ دیا ہے اور پانچ لاکھ افراد نے چھ سات ہزار۔ میرے نزدیک اس کی بہت بڑی ذمہ داری بیت المال پر بھی ہے۔ بیت المال والے اتنی کوشش نہیں کرتے جتنی تحریک جدید والے کرتے ہیں۔ مَیں جس دن تحریک جدید کے چندہ کی تحریک کرتا ہوں اسی دن شام کو پیغام پہنچ جاتا ہے کہ آپ کی تحریک سے اتنے وعدے آئے اور یہ اثر ہوا۔ اس تحریک کو کئے ہوئے سولہ دن ہو گئے ہیں لیکن بیت المال والوں نے مجھے ابھی تک یہ بھی نہیں بتایا تھا کہ کیا حال ہے۔ مَیں نے خود دریافت کیا تو اَب جمعہ میں آتے ہوئے ان کا جواب پہنچا۔ یہ قدرتی بات ہے کہ اگر مجھے بتایا جاتا کہ تحریک کا کیا اثر ہوا ہے

تو میرے اندر زیادہ جوش پیدا ہوتا اور مَیں زیادہ زور سے تحریک کرتا۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ خود قادیان اب اتنا بڑا ہو چکا ہے اور اتنا کام یہاں پیدا ہو چکا ہے کہ قادیان والوں کو ہی چندے کا کثیر حصہ برداشت کرنا چاہئے۔ موجودہ حالات کے لحاظ سے قادیان والے اگر صحیح قربانی کریں تو پچاس ہزار کے قریب چندہ دے سکتے ہیں مگر تاجروں کا حصہ ایسا ہے جو چندہ دینے میں بہت سُست ہے۔ مَیں نے بیت المال کو توجہ دلائی تھی کہ ان کی آمد کی صحیح تشخیص کرنی چاہئے ورنہ وہ ہمارے لئے ناسور بن جائیں گے جو باقی جماعت کو کھانا شروع کر دیں گے مگر بیت المال نے اس طرف توجہ نہیں کی۔ انہیں چاہئے کہ وہ ہر دکاندار کے پاس ایک کلرک بٹھا دیں جو دن بھر یہ دیکھتا رہے کہ اس کی کتنی بکری ہوئی ہے اور پھر اس سے پوچھا جائے کہ جب تمہاری آمد زیادہ ہے تو پھر تم چندہ کیوں کم دیتے ہو؟ مَیں سمجھتا ہوں کہ اس طریق پر اگر دس ہزار روپیہ بھی خرچ کرنا پڑے تب بھی بیت المال کو یہ روپیہ خرچ کرنا چاہئے۔ اگر اس کا کوئی اَور فائدہ نہیں ہوگا تو کم از کم اس طرح حقیقت تو کھل جائے گی اور معلوم ہو جائے گا کہ ہمارے تاجروں کی کیا حالت ہے۔ اب تو یہ کیفیت ہے کہ ہمارے تاجر سلسلہ کا ہزاروں روپیہ دبا کر بیٹھے ہوئے ہیں۔ دس روپے چندہ دیتے ہیں اور پھر اپنے ارد گرد دیکھتے ہیں کہ ہماری اس قربانی پر لوگ کتنی واہ وا کرتے ہیں۔

قادیان ہمیشہ چندوں میں اول رہا ہے اور اب بھی اول ہے مگر امراء کی وجہ سے نہیں جو سارا روپیہ اپنے نفس پر خرچ کرتے ہیں یا زمینیں خریدتے اور جائیدادیں بناتے ہیں بلکہ غرباء کی وجہ سے اول ہے جو اپنے پیٹ کاٹ کر اور اپنے بیوی بچوں کے پیٹ کاٹ کر چندہ دیتے اور سلسلہ کی خدمت کرتے رہتے ہیں۔ پس ہمیں اس روپیہ کے لئے فکر نہیں بلکہ فکر ہے اس جذام کی جو امراء اور تاجروں کے جسم میں پیدا ہو رہا ہے کہ اگر وہ ہمارے اندر پیدا ہو گیا تو ہم باقی جسم کو کس طرح بچائیں گے۔ مَیں تو کہوں گا کہ بے شک بیت المال والے ان سے روپیہ لے کر دریائے بیاس میں پھینک دیں۔ مگر ان کی جیبوں میں سے ضرور نکال لیں تا وہ بے ایمان ہو کر نہ مریں۔ اگر قادیان کے لوگ اپنی ذمہ داریوں کو سمجھیں تو بہت سے لوگ اس میں حصہ لے سکتے ہیں اور ان کو لینا چاہئے۔ باقاعدہ تاجروں کے علاوہ یہاں بعض لوگ ایسے بھی ہیں

جو ایک کام مستقل طور پر نہیں کرتے، کبھی ایک کام کرتے ہیں اور کبھی دوسرا کام کر لیتے ہیں۔ ان میں سے بعض بہت بڑی آمد پیدا کر رہے ہیں۔ ان کا بھی چندہ میں بہت کم حصہ ہے۔ وہ اپنی ذمہ داریوں کو نہیں سمجھتے۔ اسی طرح بیرون جات کے بہت سے تاجر بھی اپنی ذمہ داریوں کو بہت کم سمجھتے ہیں۔ اس وقت ہزارہا احمدی تاجر ہیں اور پھر مَیں نے جو تحریک کی ہے کہ ہماری جماعت کو زیادہ سے زیادہ تجارت کی طرف توجہ کرنی چاہئے۔ اس کے نتیجہ میں بھی ہم ہزارہا اَور تاجر پیدا کریں گے لیکن ان تاجروں میں سے اکثر سست ہیں۔ بہت کم ہیں جو چست ہیں۔ اور جو چست نظر آتے ہیں ان میں سے کئی ایسے ہیں کہ اگر وہ اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں تو ان کے چندے ان کی آمدنیوں کے لحاظ سے بہت کم ہوں گے۔ پھر ہزارہا ہمارے افسر ایسے ہیں جن کو بڑی تنخواہیں ملتی ہیں۔ اگر اپنی ذمہ داریوں کو سمجھیں تو انہیں معلوم ہو گا کہ باوجود دوسرے چندوں میں شامل ہونے کے پھر بھی وہ ابھی کافی مقدار میں چندے دے سکتے ہیں اور جلد دولاکھ کی رقم پوری کر سکتے ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ پس مَیں قادیان کے لوگوں کو خصوصاً اور باہر کے لوگوں کو عموماً، اسی طرح قادیان اور باہر کی جماعتوں میں سے تاجروں کو خصوصاً خواہ وہ دکاندار ہوں یا کبھی کبھی تجارتی کام کرنے والے، توجہ دلاتا ہوں کہ انہیں اپنی ذمہ داریوں کو سمجھنا چاہئے۔ جیسا کہ مَیں نے پہلے بھی کہا ہے ان سے روپیہ ضرور لیا جائے خواہ بیاس میں پھینک دیا جائے لیکن لینا ان سے ضرور چاہئے۔ اسی طرح مَیں ان کو بھی کہتا ہوں کہ وہ روپیہ جو وہ کما کر اپنی جیب میں ڈال لیتے ہیں اور غریبوں پر خرچ نہیں کرتے اور لوگوں کی بہتری اور بہبودی کے لئے نہیں لگاتے وہ یاد رکھیں کہ قرآن کریم فرماتا ہے ایسے لوگ جو روپیہ کما کر اپنے گھروں میں لے جاتے ہیں اور دین کی راہ میں خرچ نہیں کرتے قیامت کے دن وہ روپیہ پگھلایا جائے گا اور پھر اس سے ان کے ماتھوں اور پیٹھوں پر نشان لگایا جائے گا۔ 1

مَیں نے ہمیشہ کہا ہے کہ اسلام روپیہ کمانے سے منع نہیں کرتا لیکن جو لوگ روپیہ کمانے میں ہی لذت سمجھتے ہیں اور اسے خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے بلکہ گھروں میں رکھ چھوڑتے ہیں ان کو سمجھنا چاہئے کہ الٰہی سلسلہ میں ایسے لوگوں کا کوئی کام نہیں اور ایسے لوگوں کا ایمان کبھی بھی قائم نہیں رہتا۔ اسلام مال کمانے سے منع نہیں کرتا مگر مالدار ہونے سے منع کرتا ہے۔

مال کمانا اَور چیز ہے اور مال دار ہونا اَور چیز ہے۔ بے شک کماؤ، کچھ خود کھاؤ کچھ اولاد پر خرچ کرو۔ کچھ ان کی تعلیم پر خرچ کرو، کچھ غرباء کو دو۔ اگر ایسا کرو تو یہ کمائی بابرکت ہو گی اور خدا کے سامنے تمہیں مجرم نہیں بنائے گی۔ لیکن اگر اس کمائی سے تمہارے اندر حرص پیدا ہوتی ہے کہ مَیں نے جو دس روپے چندہ دینا ہے اگر نہ دوں تو اگلے ہفتہ دس سے پندرہ بن جائیں گے اور بلیک مارکیٹ ہیں۔ پچیس تیس بن جائیں گے۔ پھر اگلے ہفتہ میں پچاس بن جائیں گے۔ پھر پچھتّر بن جائیں گے۔ پھر اگلے ہفتہ دو سو بن جائیں گے۔ پھر اگلے ہفتہ پانچ سو بن جائیں گے اور پھر اس سے اگلے ہفتہ ایک ہزار بن جائیں گے۔ اور جب وہ ہزار پر پہنچتا ہے تو دس روپے اپنی جیب میں ڈال لیتا ہے اور کہتا ہے مَیں تو بڑی غلطی کرنے لگا تھا۔ تو ایسا انسان یقیناً مجنون ہے۔ یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ ہماری جماعت میں تو بڑے بڑے مالدار نہیں ہیں ہم میں یہ نقص کس طرح پیدا ہو سکتا ہے کیونکہ امارت ایک نسبتی امر ہے۔ جس شخص کے پاس دس روپے ہیں اس سے وہ شخص زیادہ مالدار ہے جس کے پاس بیس روپے ہیں اور جس کے پاس سو روپے ہیں اس سے زیادہ مالدار وہ شخص ہے جس کے پاس دو سو روپے ہیں۔ پس دولت اور امارت ایک نسبتی امر ہے۔ اس لحاظ سے ہماری جماعت میں سے بھی جس کے پاس دوسروں کے مقابلہ میں نسبتاً زیادہ روپیہ ہے وہ مالدار ہو گا خواہ اس کے پاس دس یا بیس یا سو یا دو سو روپے ہوں۔ بہر حال اسلام دولت کمانے سے منع نہیں کرتا لیکن دولت جمع رکھنے سے اور اسے غرباء پر خرچ نہ کرنے سے ضرور منع کرتا ہے۔ اسلام بالشوزم کی طرح یہ نہیں کہتا کہ امیروں کو لوٹ لو لیکن یہ ضرور کہتا ہے کہ جو ان میں سے اپنا روپیہ جمع کرتے اور بڑھاتے ہی جاتے ہیں لیکن اس کا مناسب حصہ دین اور غرباء پر خرچ نہیں کرتے اُن کو گندے اور خراب عضو کی طرح اپنے جسم سے کاٹ کر الگ کرو۔ بالشوزم بھی ان کو اپنے اندر شامل نہیں کرتی اور اسلام بھی ان کو اپنے اندر شامل نہیں کرتا۔ ہاں بالشوزم ان کا روپیہ لُوٹ لیتی ہے اور پھر ان کو الگ کر دیتی ہے لیکن اسلام ان کو بھی اور ان کے مالوں کو بھی گندہ قرار دے کر جہنم میں پھینک دیتا ہے۔

پس جہاں میں تعلیم پر زور دیتا ہوں اور جہاں میں صنعت و حرفت کی طرف جماعت کو توجہ دلاتا ہوں وہاں مَیں جماعت کے دوستوں سے بھی کہتا ہوں کہ وہ اپنی ذمہ داریوں کو

سمجھیں اور ان پر چندے کی جو ذمہ داری عائد ہے اس میں کوتاہی نہ کریں۔ ورنہ دو صورتوں میں سے ایک صورت ضرور ہو گی۔ یا تو ان کے مالوں میں بے برکتی ہو جائے گی اور ان کے دیوالے نکل جائیں گے اور یا ان کا ایمان ضائع ہو جائے گا۔ مَیں امید کرتا ہوں کہ جماعت اپنے فرائض کو پورے طور پر ادا کرے گی اور یقین رکھتا ہوں کہ اگر وہ اپنے فرائض کو پوری طرح ادا کرتی رہی تو اس کے بعد ہم بہت بڑے بڑے کام قریب کے زمانے میں کر سکتے ہیں اور خدا چاہے گا تو بفضلہٖ تعالیٰ کر کے رہیں گے۔" (الفضل 16 اپریل 1946ء)

1: وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ۔ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ۔ (التوبة: 34، 35)